Oriental College Magazine, Vol.102, No. 02, Serial No. 384, 2026

آصف ہمایوں کی نثری نظم

ساجدہ شفاعت
ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی لاہور
خضرا تبسم، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی لاہور

Prose Poetry of Asif Hamayun

Sajida Shafait
PhD Research Scholar Urdu
Lahore College for Women University, Lahore

Khizra Tabassum, PhD
Assistant Professor of Urdu
Lahore College for Women University, Lahore

Abstract

Asif Humayun is one of the important poets of the present era. His poetry carries a deep intellectual depth within it but his credible reference is prose poem. In his view, compared to the ghazal, nazm holds much wider possibilities. His prose poems beautifully reflect not only an individual,s inner turmoil, but also the cultural, social, political and intellectual condition of his era. His poems play the role of a ray of hope amidst despair.

Keywords:
Asif Humayun, prose poem, ghazal, nazm political and intellectual condition.

آصف ہمایوں عہد حاضر کے ایک بالغ نظر اور صاحبِ علم شاعر ہیں۔ شعر و ادب سے ان کی دلچسپی طالب علمی کے ابتدائی دور ہی سے قائم ہو گئی تھی۔ جب وہ پہلے پہل اقبال اور ان کی شاعری سے روشناس ہوئے اور "بانگ درا" کا مطالعہ شروع کیا یہیں سے ان کے دل میں شاعری سے لگاؤ پیدا ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ثمر دار درخت بن گیا۔ آصف ہمایوں کی شاعری ہر دو اصناف، نظم اور غزل میں اپنا سلسلہ کلاسیکی روایت سے جوڑتی ہے خاص طور پر غزل کے حوالے سے یہ روایت ان کی شاعری میں ایسے شامل ہو جاتی ہے جیسے بہتے ہوئے دریا کا دھارا کسی وسیع اور پھیلے ہوئے سمندر کا حصّہ بن جائے۔ آصف ہمایوں نے اپنی شاعری میں، ذات سے اُٹھ کر کائنات کے آفاق کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ وہ نظر کی وسعت اور سفر کی ہمت کی دعا مانگ کر اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں، اور تنگنائے سے سے گزرتے ہوئے کھلی اور کشادہ فضا میں جانکلتے ہیں جہاں فطرت اپنی تمام تر رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتی نظر آتی ہے۔ آصف ہمایوں کی شاعری کا تجزیہ کرنے والوں نے اِس حقیقت تک رسائی حاصل کر لی ہے کہ فطرت اور گرد و پیش سے اخذ کی ہوئی مثالوں کے سبب ان کی نظموں اور غزلوں میں ایک طرح کی کشادگی کا احساس ہوتا ہے ہر نیا کھلنے والا پھول بظاہر یکساں دکھائی دیتے ہوئے بھی دوسرے تمام پھولوں سے مختلف ہوتا ہے۔ یہی کیفیت ہمیں آصف ہمایوں کی شاعری میں محسوس ہوتی ہے۔ زبان سے تخلیقی اور ادبی تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ زبان ایک اجتماعی وسیلہ اظہار ہے۔ لفظ مسلسل استعمال ہوتے رہتے ہیں تو آہستہ آہستہ اپنی تازگی اور شگفتگی سے محروم ہونے لگتے ہیں لیکن ایک بڑے شاعر کے دستِ ہُنر شناس کا معجزہ ہے کہ وہ ماند پڑتے ہوئے لفظوں کو اپنے لمس سے ایک نئی تازگی اور تاب و توانائی عطا کر دیتا ہے اور مرتے ہوئے لفظ دوبارہ زندہ ہو کر کلام کرنے لگتے ہیں اور نئے لبادے میں نئی زندگی پاتے ہیں۔ لفظ کی حقیقی معنویت شاعری سے اجاگر ہوتی ہے۔ آصف ہمایوں کی معجزہ گری ہے کہ وہ لفظوں کو اس طرح محسوس کر کے جزوِ شعر بنائے ہیں کہ وہ ایک نئے جہان کی طرف نئے روزن کھول دیتے ہیں۔ قاری پر ایک ایسا جہان منکشف ہوتا ہے جو اس سے پہلے نہ تو اس نے دیکھا ہوتا ہے اور نہ اس کے درمیان میں ہوتا ہے۔ وہ علامتوں کے ذریعے اور تمثالوں کے حوالے سے ایک نئی دنیا آباد کرتے ہیں اور یہ سارا تخلیقی عمل ان کی ذات سے جنم لیتا اور ان کے لاشعور کا حصّہ ہوتا ہے شعر لکھتے ہیں تو رنگوں سے آراستہ تصویریں وجود میں آنے لگتی ہیں اور قاری کو ایسے ایسے منظر دکھاتی ہیں جو اسے حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ آصف ہمایوں کی نظموں پر مشتمل کتاب "گیلی لکڑیاں جلانے کے دن"، ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ جس میں ایسی نظمیں موجود ہیں۔ جو اُن کے

بچپن کی یاد دلاتی ہیں۔ نظم "الف سے انار" اپنے عنوان ہی سے عہد رفتہ کی طرف لوٹ جانے کا اعلان کرتی ہے:

"پیارے!
وہ مٹی چاٹنے کے دن تھے۔
شیشم کے پیڑ تلے ننگی زمین پر
ہمارا مدرسہ تھا
ماں جائی ہمارا ہاتھ تھامے
ہمیں وہاں چھوڑ کر رخصت ہوتی
اور ہم کتاب کے کالے حرفوں سے
روشنی چننے لگتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
الف سے انار کی تکرار کرنے لگتے
استاد کے پیلے اور چیچک زدہ چہرے پر
اطمینان کی ایک لہر سی دوڑ جاتی
اور کبھی انار کی سی سرخی کا رنگ
ایک ثانیے کے لیے نمودار ہو جاتا
(الف سے انار") (۱)

نثری نظم میں شاعر جتنی آزادی سے موزوں ترین الفاظ استعمال کرتا ہے وہ آزادی کسی اور صنفِ سخن میں ڈھونڈنا مشکل ہے۔ نثری نظم انسان کے تبدیل ہوتے پیچیدہ ترین مظاہر سے جڑے ہوئے حسی تجربات کو کسی ایک بھی لفظ سے سمجھوتا کیے بغیر بیان کرنے کا شعری پیرایہ ہے جس طرح ہوا اور پانی اور قدرت کے دیگر عناصر کے آگے روک نہیں لگائی جا سکتی، اسی طرح تخلیقی تجربات اور ان کے فنی بیان کا اپنا ایک بے روک بہاؤ ہوتا ہے اسی بہاؤ کے نتیجے میں نثری نظم وجود میں آتی ہے۔ اس نظم میں آصف ہمایوں کی منظر نگاری اپنی انتہا کو چھوتی ہوئی نظر آتی ہے:

"پیارے !
وہ مٹی چاٹنے کے دن تھے۔ جلتی ہوئی دوپہروں میں، گھروں کے سنسان آنگنوں سے باہر، ویران گلیوں میں ہم گھومتے پرانے تالاب کی سیڑھیاں اترتے سورج کی کرنوں، اپنے ساتھ کم کم پانی میں اترتے ہوئے دیکھتے۔ قرب و جوار کا جھنکار، تتلیوں، اور بھونروں کی آنکھ مچولی، جنگلی پھولوں کا فسوں، کوئی نادیدہ منزل ہمیں اپنی جانب بلاتی رہتی۔۔۔۔۔۔

ٹہنی سے گلاب توڑنا مشکل ہو جاتا ہم سوچتے، ہاتھوں کی دسترس میں نہ آنے والے، اکثر چوری ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ چوری شاید خالی ہاتھوں کی کسی خواہش کا نام ہے-------

-------پیارے!

عمروں کے سفر میں ہم بھی اپنے خالی ہاتھوں میں گلاب رکھتے، مگر ایک بوجھل، بنجر اور ویران عمر کی گٹھڑی ہم نے تھام رکھی تھی، جس میں ہم خود بھی بندھے ہوئے تھے یوں جیسے کوئی چور ہمیں کہیں لے جاتا ہو"(۲)(مٹی چاٹنے کے دن)

"مٹی چاٹنا" ایک وسیع تر حسی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے جس میں کم سِنی کے جبلی جذبوں اور فطری خواہشوں کی طلسم کاری ایک دل فریب انداز میں جلوہ ریز ہوتی ہے۔ آصف ہمایوں کی نظم "کالا گلاب" بھی انہی دنوں کی یاد دلاتی ہے:

چھوٹے چھوٹے گھروں کی
کم اونچی چھتوں سے
ریت اور مٹی کی ڈھیریوں پر چھلانگیں لگاتے
تالابوں اور جوہروں میں
مینڈکوں کے بچوں سے ہاتھ ملاتے
سہ پہر کی سرحدوں پر
کوکلا چھپاکی کھیلتے
سرمئی ہوئی شام کی نارنجیوں میں
واپس گھروں کی طرف بھاگتے
اگلے دن کی آمد پر
شیشم کے پیڑ تلے
منشی جی سے کلمہ سیکھتے
سائیکل کے ٹائر کو
چھڑی سے پیٹ پیٹ کر
پگڈنڈی پر بھاگتے
ہم بڑے ہوتے چلے گئے
راستوں پر اُگے ہوئے آوارہ پھولوں کی طرح

ہمارے سر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے
پھر دیکھتے ہی دیکھتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ایک دوسرے کے لیے
ہمیشہ کے لیے"(۳) (کالا گلاب)

آصف ہمایوں نے غزل میں نام پیدا کرنے کے باوجود نثری نظم کو ایک پیرایہ بیان کے طور پر اختیار کیا ہے تو اس کا باقاعدہ جواز موجود ہے ان کی طرح اور بھی شعرا نے نثری نظم میں بیان کی سہولت اور وسعتِ اظہار سے استفادہ کیا ہے مثلاً ثروت حسین کا شمار جدید عمدہ غزل نگاروں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے جدید اردو غزل میں ایک نئے طرز احساس کی بنیاد رکھی۔ اس کے باوجود انھوں نے نثری نظمیں لکھیں جن میں اپنی داخلی کیفیات کو تمثالوں اور استعاروں کے ساتھ، منفرد اور اچھوتے اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح افضال احمد سید نے غزل کا باکمال شاعر ہوتے ہوئے نثری نظم سے وابستگی اختیار کی اور اسے اعتبار اور استحکام بخشا۔ یہ آصف ہمایوں کے ہم عصر شعرا ہیں جنہوں نے غزل گوئی کے ساتھ ساتھ نثری نظم کا راستہ اختیار کیا۔ ان شعرا کا تعلق ستر کی دہائی سے ہے۔ آصف ہمایوں ان سے ذرا بعد منظر عام پر آئے انھوں نے بھی اپنے پیش رو شاعروں کی طرح معاشرے کے اس فرد کی زندگی کو موضوع بنایا ہے جو اپنے اردگرد منڈلاتے ہوئے مادی آلائشوں کے سیلاب میں کسی تنکے کی طرح بہتے ہوئے بالآخر زندگی کی تمام رنگینیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ایسے معاشرے میں جن کی بنیاد مادیت پرستی اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر لکھی جاتی ہے، رفتہ رفتہ ایک ایسے کھوکھلے پن کا شکار ہو جاتے ہیں کہ فرد کا فرد سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے اور ہر انسان اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر گھٹن، خوف اور افسردگی کا اسیر ہو جاتا ہے۔ آصف ہمایوں بھی اپنی نثری نظم میں اپنے عصری تناظر سے جڑے ہوئے ہیں:

" یہ جو اونچی نیچی زمین ہے
یہ جو ڈھیریاں سی ہیں خاک کی
یہاں ایک جیسی حقیقتوں میں چھپا ہوا
کسی آشنائی کا راز ہے
یہاں آنکھ ہے، یہاں اشک ہے
یہاں ابر و باد کے ساتھ ساتھ

ابھی آگ ہے

ابھی ہجر ہے

ابھی وصل ہے

یہاں کون ہے

یہاں کون ہے"(۴) (یہاں کون ہے)

ان کی بیشتر نظمیں اس اجتماعی آشوب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں جس میں فرد کی ذات ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں بکھر رہی ہے۔اس کا داخلی کرب ان مخدوش حالات کا نتیجہ ہے جو انسان کو انسانیت کی سطح سے گرا کر اسے مٹی میں ملا رہے ہیں اور اس کی بہیمانہ خصلت اپنے نوکیلے پنجے نکال کر اپنے ہی جیسے انسانوں کو لہو لہان کر رہی ہے یہ نظمیں جہاں روحانی اور اخلاقی اقدار کی پامالی کا منظر دکھاتی ہیں وہاں اس معاشرے اور اس کی تہذیب کا مکروہ چہرہ بھی سامنے لاتی ہیں۔ایسے مادی معاشروں میں جہاں حساس ذہن رکھنے والا ہر انسان اپنے وجود کی کم مائیگی پر نوحہ کناں ہو کر ایک ایسے داخلی کرب سے ہم کنار ہو جاتا ہے کہ ہر گزرتا لمحہ اس کی ذات کے بکھراؤ کا اعلامیہ بن جاتا ہے اور عدم تحفظ کا ایک شدید احساس ہر وقت اسے اپنے گھیرے میں لیے رکھتا ہے۔ آصف ہمایوں اپنی نظموں میں اپنے ذاتی دُکھوں اور کیفیتوں ہی کو مجسم نہیں کرتے بلکہ اس خاص عصر کی حسّیت کو بھی اُجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ہماری طبقاتی اور سماجی اقدار کی انہدام پذیری کا نتیجہ ہے:

"اپنے گھر کے دروازے پر دستک دوں

لیکن پھر یہ سوچتا ہوں

کون دریچہ کھولے گا اب

کون گلی کی تاریکی سے پوچھے گا اب

کون آیا ہے"(۵) (ماں کی وفات پر)

ان کی نظمیں ان کے آدرشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتی ہیں اور اپنے عہد کی تہذیبی، سماجی، سیاسی اور فکری صورتِ حال کی عکاس بن جاتی ہیں۔ انھوں نے جہاں معاشرے کے کرب آمیز المیوں کو بیان کیا ہے وہاں محبت کے احساس کو شامل کر کے خوش رنگ کیفیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

"اپنی تھکن کے عمروں لمبے رستے پر

کب یہ چاہا

ہم کو بھی تو منزل دے

پالنے والے!

ہم نے تو بس اتنا چاہا

ہم کو نظر کی وسعت دے کر

اور سفر کی ہمت دے"(٦) (دُعا)

آصف ہمایوں کی شاعری وجود کی مختلف سطحوں کے تئیں خوبصورت مناظر اور معنی خیز ذہنی زاویے پیدا کرنے میں اس لیے بھی کامیاب رہی ہے کہ اس میں مرکزی نکتہ فطرت اور انسان سے ان کا غیر مشروط تعلق ہے وہ کوئی بھی موضوع لے آئیں، ان کے یہاں جہانِ ادراک کی تشکیل نو میں انسان فہمی اور انسان دوستی کا سب سے اہم مقام ہے۔ وہ ایک کشادہ دل اور کھلا ذہن رکھنے والے شاعر کے طور پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ایک ایسے روشن خیال شاعر کے روپ میں، جو جبر اور ظلم اور یکسانیت کے ماحول کو بدل دینے کی تمنا دل میں پالتا رہتا ہے اور اسے لفظوں کی زبان دیتا رہتا ہے۔ آصف ہمایوں اپنے محسوسات اور مسائل و معاملات کا اظہار خوبصورت تراکیب سے مزین تمثیلوں میں کرتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر ایک تمثال گر ہیں۔ ان کی شعری تصویریں قاری کی جمالیاتی حس کو چھو کر اس کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا باعث بنتی ہیں۔ تصویر کاری کے اس عمل میں استعاروں، کنایوں اور تلازموں کی کارفرمائی نمایاں نظر آتی ہے۔

"دلِ مضطر! کچھ اس طرح سے ہے

منزلوں اور مسافتوں کے بیچ

دوستوں کا سفر ادھورا ہے

دشمنوں کا سفر ادھورا ہے

وحدتوں کے سفر کو نکلے تھے

کیا ہوا وہ طواف کا موسم

میکدے کی طرف سے گزریں تو

میکدے کی نشستِ آخر میں

ایک خالی ایاغ ملتا ہے

جو ترے نام سے سلامت تھا

جو ترے نام سے بھرا تھا کبھی

حیرتوں کے جہان بے اسباب
دل کا پتھر چیخ رہا ہے اب
موم پگھلے تو کالی رات کٹے
حرف اُترے تو کوئی بات بنے
حرف اُترے زمین پر وحدت کا
حرف اترے بس اک محبت کا
سوچتا ہوں کہ کاش ایسا ہو
کل کے سورج سے روشنی کا نظام
اک نئی سوچ لے کے آجائے
میں ترا ہاتھ تھام لوں پھر سے
تو میرا ہاتھ تھام لے پھر سے "(۷) (لا نفرق بین احد)

آصف ہمایوں کی نظم ان کے آدرشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتی ہے اور وہ فکر و فن کے تال میل سے اثر خیز اور فکر انگیز نظمیں تخلیق کرتے چلے جاتے ہیں۔ آصف ہمایوں کی شاعری کے اہم نقاد اور "ہر پہر کے آسمان" کے دیباچہ نگار آفتاب اقبال شمیم لکھتے ہیں:

"آصف ہمایوں کی بیشتر نظموں میں کسی ذاتی غم، کسی ملال، کسی قلبی واردات کی سرایت اتنی گہری ہے کہ جہاں حُسن فطرت کی رعنائیوں کا تذکرہ ہو رہا ہو، وہاں بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے وہ اس ذاتی غم کو علیحدہ موضوع کی شکل نہیں دیتا۔ جدید شاعری کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اشارے کنائے میں وہ اس غم کا ذکر تا ہے لیکن خود پر اسے حاوی نہیں ہونے دیتا بلکہ یہ ذاتی تجربہ اس تخلیقی توانائی کی نمو کا موجب بنتا ہے جو اُسے اپنے عصر کے غموں میں جینا سیکھاتی ہے" (۸)

آصف ہمایوں کا کمال یہ ہے کہ وہ انسانی صورت حال کے پس منظر میں جھانکتے ہوئے آس اور یاس کے منظر نامے میں حسنِ فطرت اور اپنی داخلی سچائی کو اپنے شعری سفر میں قدم بہ قدم اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔بقول آفتاب اقبال شمیم:

"اپنے آئیڈیلز پر کوئی سمجھوتہ کیے بغیر زندگی کی اثبات کرتا نظر آتا ہے۔ وہ تہذیب غم کی مملکت کا آدمی ہے اور یاس کے انتہائی کڑے مرحلے میں بھی زندگی کے اقرار سے دست کش نہیں ہوتا"(۹)

آصف ہمایوں کے دیباچہ نگار آفتاب اقبال شمیم نے نہایت بر محل اور درست لکھا ہے کہ:

"جب ہم اس (آصف ہمایوں) کے ساتھ سفر میں آگے چلتے ہیں تو کھلتا ہے کہ اس کا زخم آگہی تو بڑا کارِ رفو مانگتا ہے اور محض وسعت نظر کی وسعت کا تار اس زخم کو سینے کے لیے کافی ہے۔ وجہ یہ کہ مادہِ سفر میں ہم اس پر ایسی نظمیں بھی وارد ہوتی ہیں جن میں وہ نظر کی وسعت کو ماہ بعد کی وسعت سے جوڑ کر زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے"(۱۰)

"مسافر!
ابھی زرد ہیں اپنی سانسیں
گزارے ہوئے دن کی اڑتی ہوئی گرد میں
تھکی آنکھ کے بیکراں دشت میں
آئی ہیں زمینیں خس و خار سے
مسافت عجب ہے

صدا دے رہی ہے
پتا دے رہی ہے
اُسی سمت بے سمت کا
گیا ہے جس کی جانب کوئی کارواں
جدھر سے ابھی آرہا ہے کوئی کارواں" (۱۱)(اکائی اور کثرت کے سفر میں)

گویا ایک ساعت موعودہ یعنی قربِ قیامت کے آثار ہیں۔ یہاں آصف ہمایوں ایک ایسے شاعر کے روپ میں سامنے آتے ہیں جو لاشعوری طور پر مالکِ کائنات سے ایک سِری رابطے سے منسلک ہیں۔ آصف ہمایوں کے یہاں غم راکھ میں دبی ہوئی چنگاڑی کی صورت نظر آتا ہے وہ غم کو سینے میں چھپا کر اُسے غم پنہاں کی صورت دیتے ہیں اور سامان مہیا کرتے ہیں۔ وہ اپنے درد پنہاں کو زمین کی عام سطح سے اٹھ کر کسی رفعتِ مقام پر منکشف کرتے ہیں اور اس کے اظہار کی ایک مابعد الطبیعاتی سطح تشکیل دیتے ہیں۔ آصف ہمایوں کے سامنے زندگی تسلسل کی مانند غم بھی مسلسل نظام ہے۔ یہ ایک ایسا غبار ہے جو نظر کو دھندلا کر "بانجھ سفر کی لمبی راہ پر ہونے والا ایک تماشا" بن جاتا ہے۔

"دیکھو نا !
یہ کیسے رشتے ناطے اپنی آنکھوں کے گرداب میں
دھول ہوئی سی عمروں کے بن باس میں جو
آتی جاتی سانسوں کی کچھ مہلت تک
اپنی ہی بے مہر نظر میں زندہ ہیں
اُجلے دن کا کالا پانی
کالی رات کا اُجالا سپنا
بانجھ سفر کی لمبی راہ پر ہونے والا ایک تماشا
ویراں آسی کی گود ہری ہو
لیکن کیسے !
رشتوں کی پہچان کا موسم بہت رہا ہے
خود کو بھولتے رہنے کا اِک مرض پرانا
اپنی باری جیت رہا ہے "(۱۲) (آئینہ اور غبار)

آصف ہمایوں کے ایک تحقیق نگار ریاض احمد لکھتے ہیں:

"جب خوبصورت رشتوں کا تانا بانا بکھرنے لگتا ہے تو کالی رات چھا جاتی ہے اور سب تمنائیں، امیدیں اور خوشیاں مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ جب کہ زمینی حقائق کے مطابق یہ رشتے اب عالم نزع میں ہیں۔ زندگی کا یہ سفر اب بے اثر ہو گیا ہے۔ اس سفر کی کوکھ سے اب کوئی شہنائی جنم نہیں لے گی۔ امید بال کھولے راہِ حیات پر ہراساں ہے۔ اب یہ شاخ ہری ہونے کی نہیں رہی کوئی کسی کو پہچاننے کا روادار نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حالات میں خود فراموشی ہی وجود میں آتی ہے۔ رشتوں کا آئینہ اندھا ہو گیا، غبار سے اَٹ گیا۔ اب کوئی امید نظر نہیں آتی کہ حقیقت نظارہ بحال ہو سکے ۔ آئینہ اور غبار اپنی مخصوص علامتی پنہائیوں کے ساتھ آصف کے poetic Diction کی فکری اساس کے مظاہر بن گئے ہیں "(۱۳)

آصف ہمایوں کی نظموں کے عنوانات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُن کی اکثر نظمیں ان کی اپنی زندگی کے ماہ و سال کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کی نظموں کی گرفت میں آ کر ہمارے احساس

کو ہولے ہولے چھوتے ہیں۔ معصوم، کم سن اور اُٹھتی جوانیاں وہ گیلی لکڑیاں ہیں جنھیں حزن والالم کی آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ان گیلی لکڑیوں سے نکلنے والا دھواں آنکھوں میں چبھنے لگتا ہے اور شدید اذیت سے دوچار کرتا ہے:

"ہم نے ٹوٹے ہوئے تارے کی روشنی میں آنکھیں کھولیں
وقت کی بے ثمر بارشوں میں
اپنی فکر کے پیڑوں سے گرے بُور پر
ننگے پاؤں چلنا سیکھا۔۔۔

ہم نے پروں سے سفر کا کانٹے چُنے
یاد ہے ہم نے تم سے پوچھا تھا
آشا کے سُرخ کنگن
تم نے کہاں چھپا کر رکھے ہیں"(۱۴) (گیلی لکڑیاں جلانے کے دن)

آصف ہمایوں کی شاعری کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل کے مقابلے میں اُن کے لیے نظم زیادہ وسیع امکانات رکھتی ہے۔ وہ جو غالب نے کہا تھا کہ "کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے" تو یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ غزل میں بحور اور اوزان کی پابندی اور ردیف قافیے کی قید شاعر کو بیان کی وسعت سے روکتی ہے۔ چناں چہ اس کے یہاں خیال کا اُمنڈتا ہوا طوفان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہئیت کی حدود و قیود سے آزاد ہو کر اپ مرضی اور منشا کے مطابق بیان کر سکے۔ اسی لیے وہ غزل کہتے کہتے نظم کے دائرے میں آ گئے اور آزاد نظم میں طبع آزمائی کرنے لگے لیکن آزاد نظم میں بھی چونکہ شاعر وزن اور بحر کا پابند ہوتا ہے۔ صرف قافیے اور ردیف سے آزاد ہوتا ہے، اس لیے آزاد اد نظم کہتے ہوئے بھی آصف ہمایوں نے یہ محسوس کیا کہ ابھی تک وہ ان قیود سے آزاد نہیں ہوئے کہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں اس لیے وہ نثری نظم کی طرف رجوع ہوئے۔ نثری نظم میں انھیں وہ آزادی میسر آگئی جس کی وہ خواہش رکھتے تھے چناں چہ انھوں نے اپنا دوسرا شعری مجموعہ ہی نثری نظم کے لیے وقف کر دیا اور اس میں پہلے مجموعے کی چوالیس آزاد نظموں کے مقابلے میں پچھتر نثری نظمیں شامل کر کے نہ صرف اظہار و ابلاغ کے سلسلے میں اپنی آزادی کا اعلان کیا بلکہ اس بات کو بھی ثابت کیا کہ شاعر آزادی اظہار کے لیے ہمیشہ نئے امکانات کی تلاش میں رہتا ہے۔

آصف ہمایوں کو نثری نظم نے ایک نئے تجربے سے آشنا کیا ہے۔ ایک تو انھیں اظہار کی آزادی میسر آئی اور اپنی بات کہنے کے لیے ایک وسیع کینوس دستیاب ہوا ہے۔ دوسرا انھیں اپنے انھیں اپنے قارئین کا ایک وسیع حلقہ میسر آیا اورانہیں علاقائی سطح سے نکل کر بین الاقوامی سطح تک پزیرائی حاصل ہوئی۔ تیسرے اس تجربے نے انھیں نئے اظہار کی زبان تشکیل دینے میں مدد فراہم کی ہے نیز بین الاقوامی شعروادب کے تراجم کے لیے اپنے آپ کو بہتر ثابت کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) آصف ہمایوں، گیلی لکڑیاں جلانے کے دن، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز،۲۰۱۷ء)، ۳۲،۳۳۔

(۲) ایضاً، ۲۹۔

(۳) ایضاً،۲۹۔

(۴) آصف ہمایوں، ہر پہر کا آسماں، (لاہور، عفت پبلی کشنز: ۲۰۱۳ء)، ۱۲۳۔

(۵) ایضاً،۸۔ (۶) ایضاً، ۱۴۔ (۷) ایضاً، ۱۳۱، ۱۲۲۔

(۸) آفتاب شمیم، عصریت سے لامتناہیت تک مشمولہ ہر پہر کا آسمان، ۵۔

(۹) ایضاً،۶۔

(۱۰) ایضاً،۴۔

(۱۱) آصف ہمایوں، ہر پہر کا آسمان، ۳۵،۳۶

(۱۲) ایضاً، ۲۰۔

(۱۳) ریاض احمد، آصف ہمایوں، شخصیت و فن، مقالہ ایم فل اُردو (غیر مطبوعہ)، لاہور، منہاج یونیورسٹی ۲۰۱۷ء، ۴۴۔

(۱۴) آصف ہمایوں ، گیلی لکڑیاں جلانے کے دن، ۲۷،۲۸

Bibliography

- Asif Hamayun, Geeli Lakrian Jallany Ke Din.
- Riaz Ahmed, Asif Hamayun Her Pehar Ka Asman (Lahore: Ifat Publication, 2013)
- Riaz Ahmed, Asif Hamayun Shaksiat Aur Fun, Maqala M. Phil (Urdu) (Lahore: Minhaj)

❖❖❖